ماہنامہ کاروانِ قمر، 2023 فروری۔ اللہ جل جلالہ کا نظام ہدایت۔2

از قلم: علامہ ڈاکٹر محمد رضوان نقشبندی

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اس کائنات میں کوئی شئ ایسی نہیں ہے جسے اس کی ہدایت رسانیوں کے سلسلوں سے جُدا کیا جاسکتا ہو۔ اس ذاتِ اقدس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جسے تخلیق فرماتا ہے اسے اپنی ہدایت ورہنمائی کے چشمہ صافی سے سیراب کرتا ہے۔ نہ تو یہ کائنات اتفاق سے وجود میں آگئی ہے اور نہ پیدا ہونے کے بعد کسی خود کار نظام کے تحت چل رہی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پیدا کرنے والے نے اسے ایک خاص مقصد کے تحت پیدا کیا ہے جیسے اس نے اسے لفظ "حق" کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے:

مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَـقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ﴿الأحقاف: ٣﴾

اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ اِن کے مابین ہے مگر حق کے ساتھ اور مقررہ مدت تک۔

اور دوسری جگہ اس حقیقت کو ایک اور انداز میں یوں ارشاد فرمایا:

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا بَاطِلًا ﴿ص: ٢٧﴾

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے باطل (ناحق) پیدا نہیں کیا۔

کائنات کے باطل نہ ہونے اور حق کے ساتھ اس کے پیدا کئے جانے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ہر ایک مٹی کو ایک متعین راہ دے کر اس کے مقصد کی طرف گامزن کر دیا گیا ہے۔ بس یہی اِس کا نظامِ ہدایت ہے، جو اس کائنات میں ایک ذرہ سے پہاڑ تک اور قطرہ سے سمندر تک ہر ہر چیز میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذرہ ذرہ فرمانبرداری میں مگن ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سر مو تجاوز کرے۔ اور ذرہ کی کیا حقیقت یہاں تو زمین و آسمان جیسی عظیم الشان مخلوق کا حال یہ ہے کہ جب بنانے والے نے انہیں بنایا تو جو حکم فرمایا وہ بخوشی اسے بجالاتے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

https://jmiashrafia.blogspot.com/2023/08/2023-2.html

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ﴿فصلت: ١١﴾

تو فرمایا اس نے (آسمان کو) اور زمین کو کہ دونوں حاضر ہو جاؤ خوشی سے یا دباؤ ہے۔

توانہوں نے جواباً عرض کیا:

قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ ﴿فصلت: ١١﴾

دونوں بولے کہ ہم حاضر ہو گئے خوشی ہے۔

ہدایت کا مفہوم:

امام بیضاوی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر انوار التنزیل المعروف بہ تفسیر بیضاوی میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر کرتے ہوئے اھدنا کے تحت لکھتے ہیں کہ ہدایت کے معنی **دلالة بلطف** کے ہیں۔یعنی لطف و مہربانی کے ساتھ کسی کی رہنمائی کرنا۔**هداية الله تنوع انواعا لا يحصبها عددا**۔اللہ کی ہدایت کی اتنی انواع واقسام ہیں کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔

جس طرح راہیں گونا گوں ہیں اس طرح ہدایت کے سلسلے بھی نوع بنوع ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ ہر اک شئ کیلئے ایک راہ ہے اور ہر شئ اپنی راہ پر گامزن ہے۔کائنات کا سارا نظام انہی متعین راہوں پر مشتمل ہے۔اگر یہ راہیں نہ ہوتیں یا چیزیں اپنی راہوں سے ہٹ جاتیں تو سب کچھ تباہ وبرباد ہو جاتا۔مثلاً سورج اور چاند اپنے مدار سے باہر نکل جائیں یا سمندر اپنی حدوں میں بہنا چھوڑ دیں یا چرند پرند اور دیگر حیوانات روزانہ اپنی عادتیں تبدیل کرنے لگیں یا تمام ساکن اشیاء حرکت میں آجائیں اور متحرک ساکن ہو جائیں تو سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔لہٰذا ماننا ہو گا کہ ہر اک شئ ایک نوع ہدایت کی پابند ہے۔اور اسی ہدایت کی وجہ سے وہ اپنے مقصد تخلیق سے منحرف نہیں ہو سکتی۔ہماری یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں۔اس کی وسعتوں کا عالم یہ ہے کہ نیوٹن جیسا عظیم سائنسدان کہتا ہے:

"میری تمام تر دریافتوں کی مثال اس کائنات کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کوئی بچہ سمندر کے کنارے کھیل کود میں مشغول ہو اور اسے کوئی سیپی ہاتھ آجائے لیکن جہاں تک کائنات کی وسعتوں کا تعلق ہے تو وہ سمندر کی مانند میرے سامنے پھیلی ہوئی ہے۔"

بے شمار انواع واقسام اور لاتعداد اشیاء سے بنی یہ کائنات جس منظم انداز سے چل رہی ہے وہ کسی ذات کے چلانے کی وجہ سے ہے اس کا نام ہدایت ہے۔چنانچہ فرماتا ہے:

رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿طه: ٥٠﴾

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر اک شے کو پیدا کیا۔پھر اسے ہدایت دے دی۔

حیوانات کی دنیا کا مطالعہ (Zoology) بتاتا ہے کہ اب تک میں لاکھ سے زائد انواع دریافت ہو چکی ہیں اس میں سے سب سے چھوٹا وجود 0.05 ملی میٹر کا وہ نامیاتی جسم ہے جسے بغیر خوردبین کے دیکھا جانا ممکن نہیں اور سب سے بڑا جاندار 100

فٹ تک لمبی وہیلو ہیں۔ ہر ایک نوع کی پیدائش اور موت، غذا اور خوراک، رہن سہن اور بولیاں جدا جدا ہیں اور سب اپنے اپنے طریقے کے پابند ہیں۔ محبت، خوف یا عداوت کی کسی کیفیت میں وہ اپنی بولیوں یا عادتوں سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ایک معمولی سا چوہا عظیم الجسامت ہاتھی کو دیکھ کر کبھی مرعوب نہیں ہوتا اور نہ کنجشک فرومایہ (معمولی سی چڑیا) بلند پرواز شاہین کو دیکھ کر اپنی کوتاہ پردازی پر آنسو بہاتی ہے اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ بے سرے کوے نے کوئل کی سریلی کوک سن کر اپنی کائیں کائیں چھوڑ دی ہو۔ الغرض ان میں کوئی کسی سے اس طرح کا اثر نہیں لیتا جس سے اس کی پہچان بدل جائے یا وہ اپنی سعی و کاوش سے دست کش ہو کر بیٹھ رہ جائے۔ اگر ایسا ہونے لگے تو یہ کائنات ایسی نہ رہے جیسی کہ ہے اس لئے ماننا ہو گا کہ ان سب کے لئے ہدایت کا ایک نظام مقرر ہے۔

مراتب ہدایت:

قرآن مجید کی رو سے عمل تحقیق کے پروسس کا ایک اہم ترین مرحلہ ہدایت ہے۔ جو تخلیق کے ابتدائی تینوں مرحلوں یعنی خلق، تسویہ اور تقدیر کے بعد ظہور میں آتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدٰى ۝ ﴿الأعلى: ۳﴾

پاکی بیان کر اپنے رب اعلیٰ کے نام کی۔ جس نے پیدا کیا پس درست کیا اور جس نے (ہر ایک کو) متعین راہ پر ڈال دیا۔

یعنی سب سے پہلے مرحلے پر وہ چیزوں کو اپنے اندازے کے مطابق عدم سے وجود میں لاتا ہے اس کے بعد ان کی صورت گری کر کے انہیں مختلف انواع و اقسام میں ڈھال دیتا ہے اور پھر آخری اسٹیج پر ہر ہر نوع اور قسم کو اس کی زندگی کا پورا پروگرام سمجھا دیتا ہے، جس کے بعد ہر مخلوق اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق راہ حیات پر گامزن ہو جاتی ہے۔ تخلیق کی اس آخری کڑی کو قرآن نے فھدیٰ سے تعبیر فرمایا۔

کائنات میں پھیلی بے شمار انواع و اقسام اور ان کی لاتعداد ضروریات کی طرح بداری ربانی کی انواع بھی بے شمار ہیں۔ اسی لئے اہل علم حضرات نے ہدایت کو چند مراحب میں تقسیم کر کے اس کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

وجدانی اور جبلی طریقہ ہدایت:(intuitive & Instinctive way of Guidance)

ہم جانتے ہیں کہ کوئی بھی جاندار پیدا ہوتے ہی اپنے وظائف حیات میں خود بخود مشغول ہو جاتا ہے اس کے طبعی اور فطری رجحانات اس کے اندرونی نظام ہدایت کی غمازی کرتے ہیں یہ نظام وجدان اور جبلت کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اس لئے یہاں پیغامات کا موصول ہونا اتنا خفیہ طریقہ سے ہوتا ہے کہ اس کا خارجی سطح پر ادراک کرنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے قرآن حکیم نے شہد کی مکھی کے حوالے سے پیغام رسانی کے سلسلے کو لفظ "اَوْحَيْنَا" سے تعبیر فرمایا جو وحی سے مشتق ہے اور جس کے معنی ہیں خفیہ طریقہ سے کوئی بات دل میں ڈال دینا چنانچہ ایک نومولود بچہ پیدا ہوتے ہی اپنی جبلت اور وجدان کی سطح پر یہ جان لیتا ہے کہ اسے اپنی ماں کی چھاتی کو منہ میں لے کر اس طرح دباتا ہے کہ وہ اپنی غذا کو کھینچ لے۔ اور اسی طرح ایک پرندہ خود بخود

جان لیتا ہے کہ اسے اپنی ماں کی چونچی سے چونچ ملا کر خوراک حاصل کرنی ہے۔ اسی طرح بغیر سکھائے پڑھائے پرندوں کا دانہ دنکے کی طرف پکنا، بھیڑ بکریوں کا گھاس پھونس کے میدانوں کا رخ کر لینا اور بلی کتوں اور دیگر شکاری جانوروں کا گوشت خوری کی طرف مائل ہو جاتا سوائے اس کے نہیں ہو سکتا کہ ان سب کو کسی نے بڑی رازداری کے ساتھ ان کی غذاؤں کا نعمت نامہ (Menu) بتا دیا ہے اور یہ سب کچھ فطری طور پر ان کے وجدان میں داخل کر دیا گیا ہے۔ پیغام رسانی کے اس الہامی سلسلے کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ○ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا○﴿النحل: ٦٨﴾

اور الہام فرمایا تیرے رب -رے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنائے (اپنے) بہتے پہاڑوں تیں اور درختوں میں اور ان چیزوں میں جن سے لوگ چھتیں بناتے ہیں۔ پھر کھائے ہر قسم کے پھل پھول سے اور چھلے اپنے رب کے راستوں پر جو آسان ہیں۔

شہد کی مکھی میں قدرت نے چونکہ بہت سی نشانیاں رکھی ہیں اور وہ بڑے منظم انداز میں کام کرتی ہے اس لئے قرآن پاک میں بطور خاص اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ وگرنہ اس کی ہدایات اور الہامات کا سلسلہ تو ہر چھوٹے بڑے جاندار کے ساتھ منسلک ہے چنانچہ شہد کی مکھی کو تو پھول پتی وغیرہ سے شہد حاصل کرنے کی ہدایت دی گئی ہے جبکہ خوبصورت تتلیوں اور دیگر حشرات کو انہی پھولوں سے اپنے اپنے حصہ کی خوراک حاصل کرنا سکھایا گیا ہے۔ روشن چراغوں اور برقی قمقموں کے گرد چھوٹے چھوٹے پروانوں کو رقصاں دیکھ کر دل گواہی دیتا ہے کہ کسی نے ان کو روشنی کا متوالا بنا دیا ہے۔ ایک چیونٹی کی ذہانت کا یہ کمال انسانی عقل کو حیرت میں ڈال دیتا ہے کہ وہ گندم کے دانہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ذخیرہ کرتی ہے جبکہ دھنیہ کے چار کھڑے کر لیتی ہے اس لئے کہ دھنیہ دو ٹکڑوں کی صورت میں بھی اگ جاتا ہے۔ آخر اس ننھی سی حقوق کو اجناس کی حقیقت کے بارے میں یہ علم کس نے القاء کر دیا ہے۔ ایک بلی اپنے بچوں کو چھپنے کے لئے کیسے کیسے ٹھکانے تلاش کرتی ہے جبکہ عام حالات میں کھلی پھرتی ہے اور سب کے سامنے آتی جاتی ہے مگر جیسے ہی بچے جننے کا وقت قریب آ جاتا ہے تو کتنی مستعدی اور ذمہ داری کے ساتھ سب سے زیادہ محفوظ اور خفیہ ٹھکانہ تلاش کر لیتی ہے۔ پھر بچے پیدا ہوتے ہی اس کے اندر بلے سے ان کی حفاظت کا خیال اس شدت سے غالب آ جاتا ہے کہ وہ بار بار ٹھکانے بدلنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اپنے اپنے دائرہ کار میں تمام جانداروں کا یہ منظم اندازِ حیات بغیر کسی خفیہ رہنمائی کے قائم نہیں ہو سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہیکہ جیسے ان کے اندر پیغامات وصول کرنے کے مخفی سینسرز نصب کر دیئے گئے ہیں۔ جن کے ذریعے مسلسل پیغامات موصول ہوتے رہتے ہیں اور وہ انہی کی رہنمائی میں منتظم طریقے سے اپنا کام انجام دینے میں لگے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہدایت کہ اس مرحلے میں کوئی بھی جاندار اپنا راستہ نہ بھول سکتا ہے اور نہ اس سے بھٹک سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰي كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿طه:٥٠﴾

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک شے کو پیدا کیا پھر (اسے) ہدایت دے دی۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿المؤمنون:١٤﴾

پس بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

حسی اور اِدراکی طریقہ ہدایت:(Sensational & Perceptional way of Guidance)

وجدان کی یہ ہدایت ہمارے اندر جس جوش و جذبہ اور قوت عمل کو حرکت دیتی ہے اسے بروئے کار لانے کیلئے ہمیں حواس کی رہنمائی درکار ہے۔ چنانچہ حسیت بخشی (Sensitization) سلسلہ ہدایت کی اگلی کڑی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی اور انسان اور دیگر جاندار ادراک بالحواس (Perception) کی صلاحیت سے بالکل محروم رکھے جاتے تو خارجی دنیا سے ہمارا تعلق قائم نہ ہوتا اور ہم اپنے بیرونی مقاصد اور من مقاصد اور مطلوبات تک رسائی نہ پاسکتے، خارجی دنیا سے ہمارا تعلق جس کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ جو فوری طور پر ادراک میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثلاً ہمارے ہاتھ کو آگ کے ساتھ جونہی مس ہوتا ہے اسی وقت اس کا گرم ہونا معلوم ہو جاتا ہے یہی ہمارا ادراک ہے جو حواس کے ساتھ مکمل ہم آہنگ رہتا ہے۔ جو اس پانچ قسم کے ہیں:

۱۔ قوت باصرہ (Sense of Sight)

۲۔ قوت سامعہ (Sense of Hearing)

۳۔ قوت شامہ (Sense of Smell)

۴۔ قوت ذائقہ (Sense of Taste)

۵۔ قوت لامسہ (Sense of Touch)

یہ پانچوں حواس ہمارے لئے نعمت ہی نہیں بلکہ تمام نعمتوں تک رسائی کا واحد ذریعہ بھی ہیں۔ انہی حواس کے بیدار ہونے سے قبل انسان مکمل اندھیرے میں ہوتا ہے لیکن جوں جوں حواس اپنا کام شروع کرنے لگتے ہیں سارا جہاں روشن ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿النحل:٧٨﴾

اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا (اس حال میں کہ) تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور بنا دیئے اس نے تمہارے لئے کان اور آنکھ اور سمجھنے والے دل تاکہ تم شکر کرو۔

جہاں تک انسان کا تعلق ہے تو اسے ظاہری اور باطنی ہر دو قسم کے حواس سے مالا مال کیا گیا ہے اور صرف انسان ہی میں ان سب کو بیک وقت ودیعت کیا گیا ہے جبکہ دیگر جانداروں کا معاملہ انسان سے مختلف ہے انہیں حسیں (Senses) ان کی احتیاج کے مطابق تقسیم کی گئی ہیں مگر جس جس سے بھی انہیں نوازا گیا اس میں اس قدر صلاحیت ضرور رکھی گئی ہے کہ جس سے ان کی زندگی کی بقا ممکن ہو سکے۔ چھوٹے چھوٹے حشرات میں سونگھنے کی اتنی زبردست صلاحیت پائی جاتی ہے کہ انہیں وسیع رقبہ یا بند الماریوں میں خوراک کا معمولی ذرہ بھی پڑا ہوا محسوس ہو جاتا ہے۔ اور وہ وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ جبکہ ہاتھی اور اونٹ جیسے جانور اسے محوس نہیں کر سکتے اسی طرح ہزاروں فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے پرندے کو ذرا ملاحظہ کریں کہ اس کے دیکھنے کی صلاحیت کا عالم یہ ہے کہ وہ فضا کی بلندیوں سے ہی زمین پر پڑی ہوئی گوشت کی بوٹی کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ شہد کی مکھیوں کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ وہ کئی میل کے اندر واقع گلستانوں کو دور سے محسوس کر لیتی ہیں۔ بہت سے جنگلی جانور رات کی تاریکی میں بالکل صاف دیکھتے ہیں اور اپنے شکار کی بو دور سے ہی پا لیتے ہیں ان مدرکات اور مطلوبات کا حصول وجدان کے بس میں نہ تھا۔ یہ وجدانیات کی سطح سے اوپر کا مقام ہے جہاں وجدان محدود ہو جاتا ہے اور اس کے عجز اور درماندگی کا اظہار ہونے لگتا ہے کیونکہ یہاں سوال محض خوراک کے حصول کا نہیں بلکہ محسوسات اور خارجی مدرکات تک رسائی کا ہے اور وہ بغیر حواس کے ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ مبصرات کا ادراک بغیر آنکھ کے اور مسموعات کا بغیر کان کے اور مذوقات کا بغیر زبان کے ممکن ہی نہیں ہے۔ بلکہ ان حواس میں سے بھی ہر ایک کا دائرہ کار متعین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کوئی ایک دوسرے کا کام انجام نہیں دے سکتا نہ آنکھ کسی مسموع (سنی جانے والی چیز) کو دیکھ سکتی ہے اور نہ کان کسی منظر کو سن سکتا ہے۔

عقلی اور شعوری طریقہ ہدایت: (Rational & Intellectual way of Guidance)

وجدانیات کی طرح حواس کی رہنمائی کا بھی ایک دائرہ ہے جو پہلے دائرہ کے مقابلہ میں زیادہ وسیع بھی ہے اور کثیر الجہات بھی۔ انسان کے ماسوا تمام حیوانات کی ضرورت صرف اسی قدر تھی لہٰذا انہیں دائرہ جو اس میں محدود کر دیا گیا۔ مگر انسان چونکہ حیاتیات کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اس لئے اس کی ضرورت اور احتیاج دیگر جانداروں سے زیادہ ہے۔ صرف وجدان اور حواس، انسانی ضروریات سے کفیل نہیں ہو سکتے اس لئے انسان کا محسوسات کے ساتھ صرف اس قدر تعلق کافی نہیں ہے کہ وہ ان کے ذریعے سے بقائے حیات کا سامان کرے کہ یہ تو ایک حیوان بھی کر رہا ہے بلکہ انسان کا مقام تو یہ ہے کہ وہ حس و ادراک کی سطح سے بلند ہو کر غور و فکر سے کام لے اور جو اس کی رہنمائی نے اسے ادراک کی جس دنیا تک پہنچا دیا ہے اس میں عقل و شعور کے چراغ جلا کر روشنی کا اہتمام کرے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ انسان مدنی الطبع ہے نیز اس کی پیدائش اس لئے ہوئی ہے کہ وہ ایک منظم اور ترقی یافتہ معاشرے کی بنیاد رکھے۔ انسان سے صرف یہی مطلوب نہیں ہے کہ وہ چیزوں کو جیسی وہ ہیں ویسے ہی ملاحظہ کر کے آگے بڑھ جائے بلکہ اسے حقائق اشیاء تک پہنچنے کی تگ و دو کرتی ہے اور غور و فکر سے کام لے کر کائنات کا تجزیہ و تحقیق (Analysis and Research) کرتی ہے۔ تاکہ علوم و معارف کے دروازے اس پر کھل سکیں۔ یہ وہ اعلیٰ و

ارفع مقاصد ہیں جن کے آگے حواس کی کم مائیگی اور درماندگی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے ہمیں ایک اور بالاتر ہدایت کی ضرورت ہے جسے عقل وشعور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عقل وشعور کے بغیر انسانی حواس ٹھوکر کھانے کے گڑھے تو بن سکتے ہیں مگر غور وفکر اور تجویہ استدلال کی منزل پر فائز نہیں ہوسکتے۔ اگر عقل وشعور کی رہنمائی نہ ہوتی تو حواس کی مغالطہ آفرینیوں سے انسان کبھی نجات نہ پاسکتا۔ چلتی ٹرین میں بیٹھا شخص ٹرین کے باہر ہر چیز کو مخالف سمت میں دوڑتا دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح رات کے وقت آسمان پر چاند کے آس پاس سے گزرتے بادلوں کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے بادل نہیں چاند چل رہا ہے۔ یہی حال ہمارے جایئے ساعت کا ہے بعض اوقات ہمارے دماغ کی طرف جانے والی شریانوں پر دباؤ بڑھ جانے کے نتیجہ میں ایک مریض کو اپنے کانوں میں عجیب سی سیٹیاں اور گونج سنائی دینے لگتی ہے۔ اور اسے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہر طرف شور برپا ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا ایسا ہی مغالطہ حس ذائقہ کو بھی پیش آتا رہتا ہے کہ بخار کے مریض کو اکثر شیریں اور ذائقہ دار چیزیں بھی کڑوی معلوم دیتی ہیں۔ الغرض حواس کی قریب دہی کی مثالیں لاتعداد ہیں۔ اگر مبدء فیاض کی طرف سے ہمیں عقل وشعور کی رہنمائی میسر نہ ہوتی تو ہم اپنے حواس کے ہاتھوں ہمیشہ دھوکہ کھاتے رہے۔ نیز ہم حیوانی اوراک کی سطح سے بھی بلند نہ ہوپاتے نتیجتاً انسانی اور حیوانی طرز عمل میں بالکل کوئی فرق نہ پایا جاتا۔ حس، اوراک اور عقل یہ تینوں انسان کے اندر ایسے جوہر ہیں کہ جن کی باہمی مواصلت (Mutual Communication) انسان کے لئے علم و معرفت کے نئے نئے دریچوں کو روشن کر دیتی ہے۔ ان تینوں کا اندرونی رابطہ انسان کو بیرونی دنیا کے ساتھ علمی اور استدلالی تعلق قائم کرنے کے قابل بنادیتا ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہم جیسے ہی کسی چیز کو محسوس کرتے ہیں تو معاً اس کا اوراک بھی کر لیتے ہیں۔ اور جونہی کسی چیز کا اوراک حاصل ہوتا ہے عقل فوراً اس پر غور وفکر کرنا شروع کر دیتی ہے۔ مثلاً ہمیں دیوار کے پیچھے سے کوئی آواز سنائی دیتی ہے تو ہمیں معاً اس کا ادراک ہو جاتا ہے کہ یہ انسان کی آواز ہے اور جونہی یہ خیال آتا ہے کہ یہ کسی انسان کی آواز ہے۔ اسی لمحہ ہماری عقل آگے بڑھتی ہے اور اس آواز کے متعلق متعدد امکانات ہمارے سامنے روشن کر دیتی ہے۔ مثلاً یہ جو دیوار کے پیچھے موجود ہے ہمارا کوئی عزیز ہے یا غیر۔ جو بھی ہے یہ اس وقت یہاں کیوں آیا ہے اسے کیا کام ہے اگر اس کی طرف سے کوئی خطرہ ہے تو اس سے کیسے نمٹنا چاہئے وغیرہ۔ غرض حواس وادراک کی راہ سے عقل کو جو سگنل ملا اعتقل نے اس پر اندیشوں اور امکانات کی پوری ایک عمارت قائم کرڈالی۔ مذکورہ مثال سے جہاں عقل کی افادیت کا یہ پہلو روشن ہوتا ہے کہ عقل محسوس کو معقول اور صورت کو معنی سے بدل دیتی ہے۔ نیز اس کی وساطت سے ہمیں مجہول (Unknown) سے معلوم (Known) تک رسائی حاصل ہوج؟ ناحاصل ہو جاتی ہے۔ وہاں اس مثال کے ذریعے ہم پر یہ بھی عیاں ہو گیا کہ عقل کی جملہ پیش قدمیاں اور کامرانیاں اس مواد (Data) کی مرہون منت ہیں جو اس کو جو اس اور ادراک کی راہ سے حاصل ہوتا ہے۔ معلومات کا یہی ذخیرہ عقل کا سرمایہ بنتا ہے۔ جس میں تجزیہ تنقید اور استدلال کر کے معقل نئے نئے حقائق تک رسائی حاصل کر لیتی ہے لیکن مقل کی مجبوری یہ ہے کہ وہ حقائق جو ماورائے حیات ہیں وہ ان کا ادراک نہیں کر سکتی۔ جیسے اللہ تعالی کی ذات وصفات وافعال، انسان کا مقصد حیات اور خدا اور بندے کا تعلق، نبوت ورسالت اور وحی کی حقیقت، عالم کا حادث وقدیم

ہونا، آخرت، جنت ودوزخ وغیرہ یہ تمام وہ حقائق ہیں جو ہمارے دائرہ حواس سے باہر ہیں۔ عقل ان کے بارے میں صرف ٹامک ٹوئیے ہی مار سکتی ہے لیکن کوئی واضح قطعی اور حتی عقیدہ فراہم نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ عقل کا دائرہ محدود ہے اور وہ پوری طرح آزاد نہیں ہے۔

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں

ڈور کو سلجھا رہا ہے پر سرا ملتا نہیں

اگر عقل کے ذریعے حقائق مابعد الطبیعات کا اِدراک ممکن ہوتا تو ہزاروں سال سے آج تک فلاسفہ کی جماعت گمراہی کی وادیوں میں نہ بھٹک رہی ہوتی اور نہ انسان کو سلسلہ وحی و نبوت کی ضرورت پیش آتی۔۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا

آج تک فیصلہ نفع وضرر کر نہ سکا(اقبال)

ان عقل پرست فلسفیوں کا منتہائے فکر یہ ہے کہ یہ عقل کی وسعت و ہمہ گیری اور حواس کے مقابلہ میں اس کی بلند پروازی کو دیکھ کر اس قدر مرعوب ہوگئے کہ اسے اپنا خدا ہی بناڈالا۔ ان احمقوں نے عقل کو قطعاً خالص اور بے خطا سمجھ کر اسے آخری اور قطعی معیار اور اعلیٰ ترین کسوئی قرار دے دیا۔ حالانکہ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ عقل حجت تو ہے مگر محبت باللہ نہیں ہے۔ مجمع بالغہ یعنی کامل حجت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بات ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے:

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ﴿الأنعام: ۱۴۹﴾

آپ فرمایئے اللہ ہی کے لئے کامل دلیل ہے۔

عقل کو اس کے مقام سے اونچا اور بلند خیال کرنا ہی سب سے بڑی بے معقلی ہے ایسے لوگ دراصل کبوتر سے عقاب کا کام لینا چاہتے ہیں اور خچر کو گھوڑے کی رفتار دوڑانا چاہتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں فکری لغزشوں کے سوا کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ یونان کے فلسفیوں کو ایسی ہی لغزشیں پیش آئیں۔ انہوں نے اپنی عقل اور دانشمندی پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کیا اور اللہ کی ہدایت کے جواب میں بے اعتنائی اور لاپرواہی برتی۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿غافر: ۸۳﴾

توجب ان کے پاس ہمارے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے تو وہ نازاں ہو گئے اپنے اس علم پر جو ان کے پاس تھا اور گھیر لیا ان کو (اس عذاب نے) جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

عقل کے بارے میں یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ وہ پوری طرح آزاد، بے آمیز اور خالص (Pure) نہیں ہو سکتی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عقل خواہ وہ مناسبت و اتصال پیدا کرے مگر جو تعلق وہ جسم عنصری سے رکھتی ہے وہ کلیۃً زائل نہیں ہوتا اور مکمل آزادی اور بے آمیزی وہ نہیں پیدا کر سکتی۔ واہمہ ہمیشہ اس کا دامنگیر رہتا ہے اور تخیلہ اس کے خیال کو کبھی نہیں چھوڑتا، قصہ اور خواہش کی قوتیں سایہ کی طرح اس کے ساتھ رہتی ہیں اور حرص وہوس کی صفات مذموم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بھول چوک جو انسان کے لوازم میں سے ہے، اس سے علیحدہ نہیں ہوتے، خطا اور غلطی جو اس کی زندگی کے خواص میں سے ہیں اس سے جدا نہیں ہوتے۔ پس عقل اعتماد کے لائق نہیں اور اس کے اخذ کئے ہوئے احکام وہم، تصرف اور خیال کے اثر و اقتدار سے آزاد نہیں، اور بھول چوک کی آمیزش اور غلطی کے شبہ سے محفوظ نہیں۔" (مکتوب نمبر ۲۶۶، دفتر اول)

عقل سے متعلق بھی وہ حقائق ہیں جنہیں قبول کرنے کے حوالے سے فلاسفہ آج تک تامل اور تشکیک کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے مثل کی خاصیت اور بے آمیزی پر ایمان قبول کر لیا ہے۔ جبکہ ال مذہب نے محل سے بھی کہیں زیادہ معتبر، خالص اور بے آمیز ذریعہ یعنی وحی الٰہی کو اپنے ایمان کا محور قرار دیا ہے۔ اہلِ مذاہب کا کہنا یہ ہے کہ محل لاکھ فوائد اور برکات کی حامل سہی مگر بھول چوک، حفظت و نسیان، مادی رجحانات، نفسانی خواہشات اور اندرونی جذبات اور تعصبات کے اثرات سے پوری طرح آزاد نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے حضرت امام غزالی، حضرت مولانا رومی اور حضرت مجدد الف ثانی جیسے حکمائے اسلام، دنیا کے فلاسفروں اور دانشوروں کو سمجھاتے رہے ہیں۔ مگر فلسفہ شاید اب تک علمی و عقلی بلوغ کے اس مقام تک نہ پہنچ سکا تھا کہ وہ اس حقیقت کا ادراک کر پاتا۔ یہاں تک کہ اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف اول میں اپنے عہد کے نہایت متاثر کن فلسفی ایمانوئیل کانٹ (Immanuel Kant/ 1724-184) نے عقل کے بارے میں مذہب کے اس نظریہ کو قبول کر کے فلسفہ کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ اس نے لا کے اہ میں اپنی معرکۃ الآراء کتاب تحمید عقل محض (Critique of Pure Reason) لکھی اور بقول علامہ اقبال "روشن خیالوں کے کارناموں کو خاک کا ڈھیر کر دیا۔"

قاضی قیصر الاسلام لکھتے ہیں:

"چنانچہ عقلیت پرستوں اور تجربیت پرستوں کے بنیادی مفروضات کا تنقیدی تجربہ کرنے کے بعد کانٹ اس نتیجے پر پہنچا کہ نہ تو محض عقل اور نہ ہی صرف حواس بذات خود علم کی صحیح صورت پر کوئی روشنی ڈالتے ہیں۔"

(فلسفے کے بنیادی مسائل، ص ۳۱۰)

کانٹ نے عقل اور انسانی تجربہ کی حقیقت کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اب فلسفہ نے اپنا منہ مذہب کی طرف کر لیا ہے۔ اگر فلسفہ کی دنیا میں کانٹ کی اس بصیرت کو قبول عام حاصل ہو جائے تو فلسفہ خود بخود مذہب کی ضرورت اور افادیت کا قائل ہو جائے گا۔

شرعی اور مابعد الطبعی طریقہ ہدایت: (Religious & Metaphysical way of Guidance)

مذکورہ بالا حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اس معاملے میں کوئی ابہام نہیں رہ جاتا کہ انسان کے لئے عقل و حواس سے بالاتر ایک ایسے ذریعہ ہدایت کی ضرورت ہے کہ اس کی روشنی میں وہ مابعد اطبی تمام حقائق کا ٹھیک ٹھیک اور قلمی علم حاصل کرنے اور اسے زندگی گزارنے کے لئے ایک ایسا ضابطۂ حیات اور لائحہ عمل میسر آجائے جو اس کے داخلی و خارجی اور انفرادی و اجتماعی تضادات سے اسے آزادی دلا دے۔

ہادی ازل نے انسان کی اس ضرورت کے پیش نظر اسے اس آخری مرتبہ ہدایت سے بھی سرفراز فرمایا اور جہاں انسانی عقل کو عجز و درماندگی لاحق ہوئی اس کی طرف سے سلسلہ وحی نبوت نے انسان کی دیگیری فرمائی۔ یہ سلسلہ ہدایت انسان کی فکری و عملی رہنمائی کے لئے کس قدر ضروری تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انسان کے زمین پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی اس کی ہدایت کا سامان بھی زمین پر اتار دیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿البقرۃ: ۳۸﴾

پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

پھر کسی قوم اور بستی کو نہ چھوڑا کہ جہاں اس کی طرف سے کوئی رسول اور ڈر سنانے والا نہ پہنچا ہو۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ﴿یونس: ٤٧﴾

اور ہر امت کا ایک رسول ہے۔

ایک اور جگہ یوں ارشاد ہوا:

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿فاطر: ٢٤﴾

اور نہیں ہے کوئی امت مگر اس میں کوئی نہ کوئی ڈر سنانے والا ہوا۔

تمام بڑی بڑی بستیوں میں اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا جہاں سے چھوٹی بستیوں کو پیغام خود بخود پہنچتا چلا گیا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِم مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ ﴿یوسف: ١٠٩﴾

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے مگر مردوں کو کہ ہم وحی بھیجیں ان کے پاس آبادی والوں سے۔

یہی وہ ہدایت ہے جسے قرآن حکیم نے الھدی یعنی چلنے کا واحد راستہ قرار دیا ہے۔

قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ﴿البقرۃ: ۱۲۰﴾

آپ فرمادیں بے شک اللہ کی ہدایت ہی چلنے کا واحد راستہ ہے۔

اور اسی ہدایت پر چلنے کے بعد قرآن حکیم انسان کو یہ گارنٹی دیتا ہے کہ نہ تو وہ گمراہ ہو گا اور ٹھہرے گا۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشۡقٰى ﴿طه: ۱۲۳﴾

تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی نہ تو وہ گمراہ ہو گا اور نہ بد بخت رہے گا۔

اللہ کی یہ ہدایت آج ہمارے ہاتھوں میں قرآن حکیم کی صورت میں موجود ہے۔ جو تمام بنی نوع انسان کے لئے رہنمائی کا ایک ایسا ضابطہ ہے کہ اگر اس کی تعلیمات کو عام کیا جائے تو بھٹکے ہوئے انسانوں کو راستہ مل جائے۔ آج اُمتِ مسلمہ کے زوال وانحطاط کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے اللہ کی ہدایت اور اپنے نبی کی سنت کو ترک کر دیا ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے (اقبال)

(ماہنامہ کاروانِ قمر، MonthlyKARWAN-E-QAMAR، فروری 2023، مطبوعہ: پرنٹر پبلیکیشر قمر الاسلام گریجویٹس، کراچی، ص: 11-24)